حقیقتِ روح
از افاداتِ
امیر محمد اکرم اعوان
ناشر
ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دار العرفان، منارہ، ضلع چکوال

حقیقت روح

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون O والجان خلقنه من قبل من نار السموم O واذ قال ربک للملئکة انی خالق بشرا من صلصال من حما مسنون O فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوله سجدین O فسجد الملئکة کلهم اجمعون O الا ابلیس ابی ان یکون مع السجدین O (سورة الحجر)

مکلّف مخلوق کی اقسام

ان آیات میں مکلّف مخلوق کی چار اقسام کا ذکر ہے۔ اللہ جل شانہ کی ساری کائنات میں وہ مخلوق جو مکلّف ہے۔ مکلّف سے مراد وہ مخلوق ہوتی ہے جسے حکم کا پابند بنایا گیا ہو اور باقی ساری مخلوق جو فطری تقاضوں کے مطابق عمل کرتی ہے اسے مکلّف نہیں کہا جا سکتا۔ جسے حکم کی تکلیف دی گئی' جسے احکام الٰہی کی پابندی کرنا لازم ہے' جس سے اس کے اعمال کی پرسش ہوگی۔ مکلّف مخلوق چار قسم کی ہے۔ فرشتہ' شیطان' جن اور انسان۔ پانچویں قسم کی کوئی مخلوق مکلّف نہیں ہے۔ ان کے علاوہ جنتی مخلوق ہے وہ اپنے فطری تقاضوں کے مطابق عمل کرتی رہتی ہے۔ اس مخلوق میں نہ اطاعت کا جذبہ ہے اور نہ نافرمانی کا کوئی عنصر ہے۔ اللہ نے جو بھی ان کی جبلت بنا دی ہے اس کے مطابق وہ زندگی بسر کرتے رہتے ہیں۔

شیطان' جن و فرشتوں کی حقیقت

ان چاروں قسم کی مخلوق میں فرشتہ نوری مخلوق ہے لیکن اسے نفس نہیں دیا گیا' خواہشات نہیں دی گئیں' ضرورتیں نہیں دی گئیں۔ اس کی ضرورت اس کی خواہش' اس کا آرام ہی اطاعت الٰہی اور ذکر الٰہی میں ہے۔ اس کی غذا اس کا کھانا پینا ذکر الٰہی ہے اور اس

کا کام اللہ کی اطاعت کرنا ہے وہ سراپا اطاعت ہے اور بس۔

شیطان بھی یہیں سے الگ ہوا۔ شیطان علمائے حق کے مطابق تو جنوں ہی میں سے ہے اور تخلیقی اعتبار سے ایک جن ہی ہے' لیکن اپنی حیثیت میں بالکل ایک الگ نوع اور ایک الگ خلق قرار پایا۔ اسلئے کہ اس نے جنات میں سے ہوتے ہوئے اتنی عبادت کی' اتنی محنت کی کہ فرشتوں میں اسے شمار کیا گیا اور اسے آسمانوں پر رہنے کی اجازت دی گئی۔ مفسرین کرام کے مطابق جنات انسانوں سے پہلے تخلیق ہوئے۔ اللہ کریم نے یہاں ان کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

والجان خلقنه من قبل من نار السموم۔ انسان سے پہلے جنوں کو آگ کے شعلے' آگ کی لپیٹ' آگ کی وہ گرم ہوا یا آگ کی وہ گرم اور لطیف کیفیت جو نظر نہیں آتی۔ آگ نظر نہ آنے والی چیز ہے۔ آگ میں جو کچھ دکھائی دیتا ہے' وہ جلنے والے کثیف عناصر ہوتے ہیں' جو نظر آتے ہیں۔ آگ سے مراد وہ حدت وہ گرمی' وہ تمازت ہوتی ہے۔ جو اپنی ذات میں ایک لطیف اور نظر نہ آنے والا عنصر Radiation ہوتی ہے لیکن جب اس میں کثیف مادے شامل ہو کر جل اٹھتے ہیں تو وہ نظر آتے ہیں۔ اور ہوا میں بھی نظر آتے ہیں' تو جنوں کی تخلیق اس سے کی گئی۔

نفخ روح

اب عجیب بات ہے کہ فرشتے کی تخلیق کے ساتھ نفخ روح کی بات نہیں ہے۔ جنوں کی تخلیق کے ساتھ نفخ روح کی بات بھی نہیں ہے۔ زندگی فرشتے میں بھی ہے۔ حیات جنوں میں بھی ہے۔ مکلّف جنوں کو بھی بنایا گیا ہے۔ اعمال کی پرسش ان سے بھی ہوگی۔ اس لئے کہ جنوں کے ساتھ ضروریات زندگی اور خواہشات ہیں۔ انسانوں کی تخلیق سے پہلے مفسرین کے مطابق جنات زمین پر آباد تھے ان میں سے کسی ایک کو ان پر امیر یا حکمران یا بادشاہ مقرر کر دیا جاتا تھا' جو اللہ کی اطاعت کرنے والا ہوتا تھا اور اسے زندگی گزارنے کے ضابطے سمجھا دیئے جاتے تھے اور ایک عرصہ اس کے مطابق یہ رہتے۔ لیکن پھر یہ کسی حکمران کو

قتل کرتے یا کوئی فوت ہوجاتا یا کسی کو معزول کرتے تو فساد بپا کرتے۔ پھر آسمان سے اللہ فرشتے بھیج دیتا' جو بعض جنوں کو قید کرتے' بعض کو قتل کرتے' بعض کو سزا دیتے' پھر اس طرح سے ان کی اصلاح کردی جاتی اور پھر ان میں سے کسی اچھے فرد کو ان پر حکمران بنادیا جاتا۔ ابلیس جب جنوں میں سے عبادت کرتے کرتے اس درجے پر پہنچا کہ اسے آسمانوں پر رہنے کی اجازت دی گئی' تو یہ ذمہ داری بھی یعنی جنات میں نظم وضبط اس کے سپرد کی گئی جیسے وہ کہا گیا ہے۔

زراہ تفاخر بفوج ملک　　　　گہہ برزمین بودگاہ پرفلک

بڑے فخر یہ انداز میں فرشتوں کی فوج ہمراہ لیئے ہوئے یہ کبھی زمین پر اترتا تھا'

کبھی آسمانوں میں ہوتا تھا۔ جب دنیا پہ جنات فساد بپا کرتے تو اللہ کریم اس کو بھیجتے اور یہ اللہ کے حکم کے مطابق اس کی اصلاح کرتا۔ لیکن بڑی عجیب بات ہے جنوں میں زندگی بھی ہے' انہیں تکلیف بھی دی گئی' احکام ماننے پر مجبور بھی کیا گیا لیکن ان کو نبوت و رسالت نہیں دی گئی۔

جن و نبوت

اس بات پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ جنوں میں نبوت نہیں تھی۔ بعض علماء نے ایک نام لکھا ہے کہ یوسف ابن حیان نامی ایک جن گزرا ہے وہ نبی تھا۔ لیکن جمہور کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ نبوت ایسی چیز نہیں ہے کہ انہیں دی گئی۔ پھر اس کے بعد کبھی نہیں دی گئی۔ ایک نبی بھیجا گیا پھر کبھی نہیں بھیجا گیا یہ تو ایک ایسا عمل ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی نبی ہوتا تو پھر ان میں اور بھی نبی بھی ہوتے۔ کبھی پوری حیات دنیاوی میں تخلیق سے لے کر قیامت تک صرف ایک نبی کا ہونا یہ درست نہیں ہے بلکہ یوسف بن حیان' حیان سلاطین یا امراء یا اللہ کے ان مقرب بندوں میں سے ہے جنہیں جنوں پر حکمران مقرر کیا گیا۔ اس کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ اسے بھی انہوں نے قتل کردیا۔

جب آدم علیہ السلام تشریف لائے تو انسانوں میں پہلا انسان ہی نبی تھا۔ وہ

شخص جس سے انسانیت کی بنیاد رکھی گئی' وہ خود اپنی ذات میں نبی تھا' گویا نبوت عطا ہی صرف انسانوں کو ہوئی اور اس کے بنیاد نفخ روح باری پر ہے۔اللہ کریم فرماتے ہیں۔

انسان کی مٹی سے تخلیق و نفخ روح

انی خالق بشرا من صلصال من حما مسنون۔ سڑے ہوئے خشک شدہ گارے سے مٹی کا ایک عنصر' جو گارا بنتے بنتے گل سڑ جائے اور پھر اس کے بعد خشک ہو جائے۔آپ نے گلی سڑی سیاہ مٹی دیکھی ہوگی اس طرح کی خشک مٹی سے میں ایک بشر تخلیق کرنے چلا ہوں۔لیکن وہ صرف ایک عام تخلیق نہیں ہوگی' جیسے کائنات میں سورج' چاند' ستارے نباتات اور طرح طرح کے حیوانات' چرند اور پرند ہیں اس میں بے شمار مخلوق ہے۔جو صنف ہوگی یہ جسے میں نے بشر کا نام دیا ہے۔یہ جسے میں آدمی کہتا ہوں یا جسے انسان کہا جائے گا۔فاذا سویته و نفخت فیه من روحی۔ جب میں اسے درست کر دوں جب اس کی تخلیق یا اس کی صنعت یا اس کے وجود کے بننے کا عمل مکمل ہو جائے۔

نبوت کی عظمت

ونفخت فیه من روحی۔ تو اس میں' میں اپنی روح پھونک دوں۔فقعوا له سجدین۔ تو تم سارے کے سارے اس کے سامنے سربسجود ہو جانا۔نفخ روح جو انسان کو نصیب ہوئی جس پر نبوت کی بنیاد ہے۔نبوت کی اصل کیا ہے۔نبوت کس کیفیت کو کہتے ہیں یا نبی کے پاس وہ کیا چیز زائد ہوتی ہے جو غیر نبی کے پاس نہیں ہوتی۔نبی کے دل کا آئینۂ دل کی آنکھ' دل کا شعور بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے براہ راست اللہ کی ذات سے آشنا ہوتا ہے۔نبوت اس آشنائی کا نام ہے۔نبوت اس پہچان کا نام ہے' نبوت اس تعلق کا نام ہے' جو نبی علیہ السلام کے قلب کو بغیر کسی واسطے کے براہ راست ذات باری سے نصیب ہو۔اس لئے اللہ کریم اس سے کلام فرماتے ہیں اور اس کی معرفت سارے بندوں تک اپنا پیغام پہنچاتے ہیں۔اللہ کے کلام کو سننا' یہ شان بھی نبی علیہ السلام کی ہے۔اللہ

کے کلام کو سمجھنا یہ شان بھی نبی علیہ السلام کی ہے اور غیر نبی اللہ کو پہچاننے میں نبی کا محتاج ہے' جیسے سارا وجود دیکھنے میں آنکھ کا محتاج ہے' ہاتھ وجود کا حصہ ہیں' کان وجود کا حصہ ہیں۔ لیکن سارے کا سارا جسم آنکھ ہوتا ہے۔ وہ آنکھ جو ذات باری کو دیکھتی ہے۔ وجود کا وہ حصہ جو ذات باری کا کلام سنتا ہے۔ وجود کا وہ حصہ جو امت کا تعلق ذات باری سے قائم کرنے کا سبب بنتا ہے اس کیفیت اس حالت کو نبوت کہتے ہیں۔

روح حیوانی یا روح سفلی

تو یہ شان بھی انسان کو ملی' اس لئے کہ روح دراصل باری تعالیٰ کا امین تھا۔ ونفخت فیه من روحی کے بارے میں مفسرین نے بہت لمبی بحثیں کی ہیں کہ نفخ روح کیا ہے۔ سمجھنے کے لئے پہلے یہ متعین کرنا پڑے گا کہ روح کیا ہے۔ علماء کے مطابق روح کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ مختلف اجزائے بدن کو جب قدرت ایک خاص نسبت سے ملاتی ہے' تو ان کے ملنے سے ایک حدت جسے آج کل کی زبان میں انرجی کہتے ہیں اور علماء یونان یا طب یونانی کے ماہرین اسے بخارات کا نام دیتے ہیں' اس انرجی یا طاقت یا کیفیت کو روح حیوانی کہتے ہیں۔ وہ چیز جو ان اجزا کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے جو انسان کے خون کے ایک ایک ذرے کے ساتھ ایک ایک نس نس میں پہنچتی ہے اور بدن کو شعور اور حرکت عطا کرتی ہے آنکھ دیکھنے لگ جاتی ہے' کان سننے لگ جاتا ہے۔ دماغ سوچنے لگ جاتا ہے۔ دل دھڑکنا شروع کر دیتا ہے۔ ہر ذرہ' ہر عضو بدن اپنا اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ اسے روح حیوانی یا سفلی کہتے ہیں۔ جو زندگی کا' حیات کا سبب ہے۔ یہ روح حیوانی ہر ذی روح میں موجود ہے' اس میں تمیز نہیں ہے کہ وہ بندر ہے یا ریچھ' یہ فرق نہیں ہے کہ وہ حیوان ہے یا انسان' وہ درندہ یا چرند ہے۔ ہر وہ شے جسے اس طرح کی زندگی نصیب ہے خواہ وہ مچھر ہے یا مکھی اس میں زندگی کی یہ کیفیت موجود ہے' تو اس کو روح حیوانی یا روح سفلی کہتے ہیں۔

انسانی فضیلت کا حقیقی سبب

انسان کی فضیلت یہ ہے کہ اس روح حیوانی کے ساتھ اسے ایک روح ملکوت

سے یا عالم امر سے بھی نصیب ہے۔اس نفخ شدہ روح کو روح علوی یا ملکوتی کہتے ہیں۔وہ روح علوی کیا شے ہے۔

روح کی حقیقت

فرمایا وما اوتیتم من العلم الا قلیلا یہود کے بڑے بڑے علماء مدنیہ منورہ میں تھے اہل مکہ ان کے پاس آدمی دوڑاتے اور وہ یہودی علماء انہیں سوال سمجھاتے۔ وہ آ کر نبی کریم ﷺ سے کہتے کہ اگر تو نبی ہے تو اس بات کا جواب دے ان سوالوں میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ بتایئے کہ روح کیا ہے۔اللہ نے اس کا جواب بذریعہ وحی ارشاد فرمایا ویسئلونک عن الروح ۔آپ ﷺ سے روح کے بارے سوال کرتے ہیں۔قل الروح من امر ربی ۔کہہ دیجئے۔روح میرے مالک،میرے رب کے امر میں سے ہے۔امر اللہ کی صفت ہے۔امر تخلیق نہیں ہے،امر مخلوق نہیں ہے۔امر صرف اللہ کی صفت ہے۔

انسانی روح مخلوق ہے لیکن ایسی مخلوق جو کسی مادے سے 'کسی جوہر سے' کسی نور سے' کسی ذرے سے نہیں بلکہ اس تجلی سے تخلیق فرمائی گئی جو اللہ کے امر سے ہے۔ من امر ربی خود امر ربی نہیں ہے۔امر ربی میں سے ہے۔روح خود براہ راست امر ربی نہیں ہے۔چونکہ امر ربی تو رب کی صفت ہے۔اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے' اللہ کا حکم' اللہ کا امر' اللہ کا کلام صفت ہے۔جیسے ذات قدیم ہے ویسے اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔اللہ کی ایسی کوئی صفت نہیں ہے جو کبھی نہیں تھی پھر اس نے بنا کر اپنے ساتھ چپکا لی۔یہ اس کی شان کے خلاف ہے جس طرح اس کی ذات کی کوئی ابتدا' کوئی انتہا نہیں' اس طرح اس کی صفات کی کوئی ابتداء نہیں' کوئی انتہا نہیں۔اس کی صفات اس کو سزاوار ہیں۔کوئی دوسرا جس طرح اس کی ذات میں شریک نہیں ہے اس طرح اس کی صفات میں بھی کوئی شریک نہیں۔تو روح امر ربی میں سے ہے۔صفات امر کا عالم ہی الگ ہے۔علمائے حق کے مطابق جہاں دائرہ تخلیق ختم ہو جاتا ہے جہاں مخلوق کی حد ختم ہو جاتی ہے' وہاں سے عالم امر کی ابتدا ہوتی ہے۔

مقاماتِ سلوک

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس پر عرش جامع بول دیا جاتا ہے۔اس کے نو حصے ہیں گویا نو عرش ہیں جن کے بارے میں کہا گیا۔

آں کہ آمد نو فلک معراج او

انبیاء و اولیاء محتاج او

تو عرش نو ہیں۔ان میں سے پہلے عرش کی وسعت عرش کے نیچے ساری تخلیق کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے کسی صحرا میں ایک انگشتری پڑی ہو۔دوسرا عرش پہلے عرش سے وسیع ہے۔پھر تیسرا اور چوتھا علی ہذاالقیاس' ہر عرش پہلے سے بہت ہی بڑا ہے حتیٰ کہ نویں عرش کی وسعت کے سامنے آٹھ عرش اور آسمان وزمین ایسے ہیں جیسے کسی وسیع صحرا میں ایک انگشتری پڑی ہو۔عالم امر میں دائروں کی حدود اجسام میں نہیں ہے' کیفیات میں ہیں۔پہلے دائرہ کی کیفیات ایک جگہ سے شروع ہو کر دوسری جگہ ختم ہوتی ہیں۔اس کی وسعت کے سامنے زمین وآسمان اور نو عرش ایسے ہی ہیں جیسے کسی صحرا میں ایک انگشتری پھینک دی جائے اور عالم امر کے یہ کیفی دائرے حجابات الوہیت تک کم وبیش بیالیس ہیں جن میں سے ہر ایک کی وسعت اللہ ہی جانتا ہے۔اگر کوئی خوش نصیب روح یہ ساری بلندیاں طے کر کے حجابات الوہیت (جو صفات کا حصہ ہیں) تک پہنچ جائے تو وہ واپس اپنے گھر پہنچی منازل قرب یا منازل سلوک جو اپنے وطن سے زائد اس نے حاصل کرنی ہیں وہ وہاں سے آگے چل کر حاصل کرنی ہیں۔

فنا وبقاء ابجد سلوک

یہ جو کہا جاتا ہے اور یہ بڑی عام سی بات ہے کہ جس کسی کو فنا بقا تک مراقبات ہو جائیں اس نے سلوک تمام کر لیا۔یہ سلوک سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔فنا بقا تو سلوک کے حروف ابجد ہیں۔جس طرح آپ کسی بھی زبان میں الف ب ج پڑھتے ہیں اسی طرح یہ سلوک کے حروف تہجی اور حروف ابجد ہیں۔سلوک اس سے آگے شروع ہوتا ہے۔اس میں اگر کوئی خوش نصیب ان نو عرشوں کے منازل طے کر لے اور اس کی روح عالم امر تک پہنچے یا

جسے لامکاں کہا جاتا ہے جہاں مکانیت کا تصور نہیں ہے۔ کسی صوفی نے جسے یہ منزل نصیب ہوئی تھی دوسروں کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

صورتش برخاک جاں در لامکاں

لا مکان فوق و ہم سالکاں

اگر یہ بیالیس کیفی دائرے طے بھی کر جائے تو پھر بھی اپنے گھر میں ہے کیونکہ اس کی اصل ہی وہاں سے ہے۔ اس نے اتنا فاصلہ طے کیا جیسے کوئی مسافر صحراؤں، جنگلوں، دور دراز وادیوں، چور اور ڈاکوؤں سے بچ کر' سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتا ہوا بخیر عافیت اپنے گھر پہنچ جائے۔ اگر اس نے مال و دولت کمانا ہے اگر اس نے امارات اور شان و شوکت کمانا ہے' تو اسے ان سے آگے بڑھنا ہوگا۔ اس سے آگے حجابات الوہیت' اس سے آگے قرب الٰہی کے منازل جو بطفیل محمد رسول اللہ ﷺ بٹتے ہیں اور بٹتے رہیں گے۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ صدیوں بعد ان مقامات کا ذکر ہو رہا ہے' صدیوں تک پھر نہیں ہو سکے گا۔

انسان جب کسی چیز کو کھو بیٹھتا ہے تو اسے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ عجیب انسانی مزاج ہے۔ ایک شخص کو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ پیدا ہی ایسے گھر میں ہوتا ہے جہاں دس دس گاڑیاں کھڑی ہیں۔ اس کے نزدیک گاڑی کی کوئی اہمیت نہیں لیکن کبھی ایسا وقت آئے کہ ان کے پاس گاڑی نہ رہے تو پھر اسے احساس ہوتا ہے کہ اس میں کتنی سہولتیں تھیں۔ ایک شخص کھاتا پیتا پیدا ہوتا ہے۔ اس کے پاس ملک' حکومت اور سلطنت ہے' ان کا ہونا اسے کچھ عجیب نہیں لگتا وہ ایک روٹین میں لیتا ہے۔ زندگی کی ایک عام حالت لیتا ہے کہ یہ معمولات زندگی میں سے ہے۔ لیکن جب وہ نعمت ضائع ہو جائے' اس سے چھن جائے تو اسے اندازہ ہوتا ہے۔ صوفیوں کا حال اس سے زیادہ عجیب تر ہوتا ہے۔ انہیں کوئی روٹین لائف میں بھی نہیں لیتا۔ لوگ ان کی تردید کرنے پر رہتے ہیں' ان کا انکار کرنے پر رہتے ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں جھوٹی انا ہوتی ہے یا اپنی بڑائی ہوتی ہے۔

صوفیا کی شہر بدری کے اسباب

لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک شخص کو اللہ نے یہ نعمت عطا کی ہے تو شاید ہمیں اسے اپنے سے بڑا ماننا پڑے گا۔اس ضد میں انکار کرتے رہتے ہیں۔جب ایسے لوگ چلے جاتے ہیں تو پھر انہیں احساس ہوتا ہے۔صدیوں تک ان صوفیاء کی کہی ہوئی باتوں کے حوالے دیتے رہتے ہیں کہ فلاں نے یہ فرمایا تھا۔عجیب بات ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں پر، جن کا نام آج ہم اور آپ بڑے احترام سے لیتے ہیں مثلاً حضرت بایزید بسطامیؒ یا ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ جنہیں شہروں سے نکال دیا گیا' کفر کے فتوے لگائے گئے کہ یہ زندیق ہیں' یہ بے دین ہیں' مسلمان ہی نہیں' یہ نیا اسلام گھڑ رہے ہیں انہیں شہر بدر کر دیا گیا۔حکومتوں نے ان کا شہروں میں رہنا قانوناً منع کر دیا اور ان کا وصال شہر سے باہر' آبادیوں سے باہر' جنگلوں میں ہوا۔علماء نے فتوے لگائے' لوگوں نے تردید کی۔ جب وہ دنیا میں نہ رہے اور صدیاں بیت گئیں لوگ ان کی قبروں پر بیٹھے ہیں۔صوفیا کرام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بہت کم نام ایسے ملتے ہیں، جن کی زندگی میں کسی نے حقیقی طور پر ان سے استفادہ کیا ہو۔

محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کو شیخ اکبر کہتے ہیں۔لیکن زندگی میں کیا ابھی تک ایک طبقہ ہے جو ان پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے۔آج بھی علماء کا ایک ایسا ہی طبقہ موجود ہے جو ان کا مسلمان ہونا تک گوارا نہیں کرتا۔ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ ایک عجیب آدمی تھے' اللہ نے اس شخص کو اتنی وسیع نظر دی تھی کہ اس نے اس دور میں ایک چھوٹا رسالہ لکھا تھا ماالابد قبل القیامہ جن میں ان عجائبات کا ذکر ہے جو قیامت سے پہلے ضرور ظاہر ہوں گے۔اس بندے نے آج کی باتیں کشفاً اس رسالے میں لکھی تھیں۔وہ لکھتے ہیں کہ یہ جو کہا جاتا ہے سورج سوا نیزے پر آئے گا یہ تو لوگوں کی قیامت سے پہلے زمین پر روشنی سوا نیزے پر ٹنگی ہوئی نظر آئے گی۔گو آج کی سٹریٹ لائٹس صدیوں قبل وہ شخص دیکھ کر لکھتا ہے۔آج کے ہوائی جہاز اور راکٹ کی سواری کے متعلق وہ رسالے میں لکھتے ہیں کہ ایسی سواریاں ہوں گی جو مہینوں کی مسافت دنوں میں طے کریں گی اور وہ کھانے پینے والی یعنی ذی روح نہیں ہوں گی۔اونٹ گھوڑے کی طرح نہیں ہوں گی' یہ کیسی ہوگی رب جانتا ہے

لیکن یہ قیامت سے پہلے ہوگا۔آپؒ نے فتوحات مکیہ جب لکھی اس وقت پریس تو نہیں تھا۔ قلم سے لکھی اور لکھنے کے بعد اسے چھت پر پھینک دیا۔ برسوں پڑی رہی' بارشیں ہوئیں' طوفان آئے' برس ہا برس بعد کوئی مرمت کے لئے یا کسی اور غرض سے جب اوپر گئے تو یہ کتاب چھت پر پڑی تھی لیکن اس کا کوئی حرف تک میلا نہ ہوا' اس کے باوجود اس کتاب سمیت آج بھی کئی لوگ انہیں ماننے کو تیار نہیں۔صوفیا انہیں شیخ اکبر یا بزرگ صوفی کہتے ہیں۔

بہر حال یہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا کیونکہ انسان اپنی انا میں گرفتار ہو کر یہ کرتا رہتا ہے اور جب یہ لوگ گزر جاتے ہیں اور یہ باتیں بتانے والا موجود کوئی نہیں ہوتا تو پھر اس بندے کی صورت تلاش کرنے کے لئے ان کی تصنیفات' ان کی کتابیں' ان کے رسالے ان کے خطوط پڑھتے ہیں۔ مثلاً حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ پر کفر کا فتوی لگا جیل گئے' قید ہوئے' یہ سارے تماشے ہوئے۔لیکن اب ان کے خطوط بہت مستند ہیں اور بجائے خود ایک سند ہیں۔لیکن آپ رحمتہ اللہ علیہ کی ذات کو اس وقت کے لوگوں نے سند نہ مانا۔یہی اصل مسئلہ ہوتا ہے۔شاید یہ لوگوں کے اپنے نصیب کی بات ہوتی ہے کہ ان نعمتوں سے اللہ کریم انہیں نوازنا نہیں چاہتے۔ یہ اتفاقی بات نہیں ہوتی۔ان سے فائدہ اٹھانا محض ذات باری کا انعام ہوتا ہے اور ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن پر وہ منعم حقیقی انعام فرماتا ہے۔جنہیں انعام نہیں ملنا ہوتا ہو وہ ان لوگوں کے پاس حصول فیض کے لئے نہیں پہنچتے بلکہ ان کے گزرنے کے بعد ان کے حوالے تلاش کرنے کے لئے پہنچ جاتے ہیں یہ ایسی باتیں ہیں جو صدیوں بعد اللہ کریم نے کسی کو کہنے کی توفیق دی اور شاید ایسے لوگ پھر صدیوں بعد پیدا ہوں۔

نفخ روح کے نتائج

روح چونکہ عالم امر کی تجلی سے پیدا کی گئی ہے اس لئے اس میں یہ کمال ہوتا ہے کہ اس کے زندگی کی کوئی حد نہیں۔اس کی اصل محدود نہیں ہے' لامحدود ہے۔ یہ جب انسانی

بدن کے ساتھ وابستہ ہوئی تو اس نے انسانی زندگی کو بھی لامحدود کردیا۔فرشتہ سراپا نیکی ہے اسے آزمائش میں ڈالا ہی نہ گیا۔شیطان کو آزمائش میں ڈالا گیا لیکن اس میں نفخ روح نہیں ہے۔نفخ روح نہ ہونے کا نتیجہ کیا نکلا' سارا قرآن حکیم دیکھ جایئے' جنات کے لئے گناہ پر عذاب کی وعید ہے نیکی پر جنت کی بشارت نہیں ہے' نیکی پر جنت کا وعدہ نہیں ہے' صرف اتنا کہہ دیا گیا ہے یجر کم من عذاب الیم۔تو تم اس عذاب سے بچ جاؤ گے۔سورۃ رحمن میں جنت کی تخلیق اور حوروں کے متعلق بات کرتے ہوئے اللہ کریم نے فرمایا لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان۔کہ جنتیوں سے پہلے کسی جن یا کسی انسان نے انہیں مس نہیں کیا ہوگا۔علمائے حق فرماتے ہیں کہ یہ اس اعتبار سے ہے کہ دنیا میں انسانوں کو جن مس کرتے ہیں بعض خواتین کو بھی مس کرتے ہیں۔اگر صرف یہ کہا جاتا کہ انہیں کسی انسان نے مس نہیں کیا تو شاید یہ شبہ ہوتا کہ کسی جن نے مس کیا ہوگا کیونکہ انسانوں کے ساتھ جنت کا واضح وعدہ موجود ہے اور جنات کو صرف جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا' نیکی اور اطاعت پر جہنم سے نجات کا وعدہ بھی کیا گیا لیکن جنت میں اس لئے نہیں جائیں گے کہ ان کی زندگی میں وہ دوام ہے ہی نہیں جو انسانوں کی زندگی میں ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بشریت ونورانیت میں توازن

اب لے دے کے ایک مخلوق رہ گئی جسے انسان اور بشر بھی کہا جاتا ہے۔اس لئے انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا جو انکار کیا جاتا ہے' یہ شرعاً جائز نہیں ہے۔کیونکہ جو بشر نہ ہو وہ نبی بھی نہیں ہوسکتا۔نبوت ملی ہی نوع بشر کو ہے۔مشرکین نے اس بنیاد پر انکار کیا تھا کہ آپ ﷺ تو بشر ہیں اور بشر نبی نہیں ہوسکتا۔انکار تو اپنی جگہ رہتا ہے صرف اس کی نوعیت بدل جاتی ہے۔انہوں نے بشریت کا اقرار کیا اور نبوت کا انکار کیا۔ہم نبوت کا اقرار کرتے ہیں مگر بشریت کا انکا کرتے ہیں اور نبوت کا انکار کیا۔ہم نبوت کا اقرار کرتے ہیں مگر بشریت کا انکار کرتے ہیں۔یہ سراسر غلط ہے۔اصل بات یہ ہے کہ ہم خود جیسا بشر تسلیم کر کے آپ ﷺ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ہم سمجھتے ہیں جیسے ہم بشر ہیں ویسے ہی وہ بشر ہیں

۔دراصل ہم اپنے اوپر قیاس کر کے انکار کرتے ہیں۔حالانکہ حق یہ ہے کہ ہم تو اپنی بشریت بھی کھو چکے ہیں۔انسانیت تو بہت دور کی بات ہے' بہت بلندی کی بات ہے اور حضور اکرم ﷺ بشر بھی انتہائے بشر ہیں' حد بشریت میں یہ بہت بڑا فاصلہ ہے۔بہر حال یہ بات ضمنی طور پر آ گئی' بہر حال بشریت کا انکار جائز نہیں ہے یہ ایک بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بشریت بھی بے مثل اور بے مثال ہے اور کوئی دوسرا ایسا بشر نہیں ہے۔

روح کی ساخت و لطائف

اللہ کریم نے وہ روح جو عالم امر کی تجلی سے تخلیق فرمائی انسان کے وجود میں ڈال دی۔تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی لکھتے ہیں۔کہ یہ وہی روح ہے جو قلب سے حیات کو شروع کرتی ہے۔جس کا سب سے پہلا ورود ہی قلب میں ہوتا ہے اور پھر پانچ مقامات پر نظر آتی ہے۔قلب' روح' سری' خفی' اخفیٰ۔وہ فرماتے ہیں کہ انسان حقیقتاً دس چیزوں کا مرکب ہے اور یہی بات حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی لکھتے ہیں کہ اس عالم آب وگل سے آگ' مٹی' ہوا' پانی اور پانچواں نفس یا روح حیوانی (جو ان چار عناصر کے ملنے سے بنتا ہے اور جسے آپ آج کی اصطلاح میں انرجی کہتے ہیں) اور پانچ وہ لطائف جو عالم امر سے متعلق ہیں' جو اس روح (جو امر ربی سے ہے) کے ورود سے روشن ہوتے اور جو اس کے رہنے کا ٹھکانہ بنتے ہیں یعنی قلب' روح' سری' خفی اور اخفا۔یہ دس چیزیں مل کر انسان بنتا ہے یہ استعداد ہر انسان لے کر آتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کل مولود یولد علی فطرة ۔ہر پیدا ہونے والے فطری خصوصیات لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ثم ابوانه يهو دانه اوليمجسانه پھر اس کے والدین یا اس کا معاشرہ یا اس کا ماحول' کسی کو یہودی' کسی کو مجوسی بنا دیتا ہے۔وہ ان سے اثر قبول کر کے اسلام کے سوا کوئی راستہ اختیار کر لیتا ہے ورنہ انسان میں استعداد موجود ہوتی ہے۔

تو سجدہ انسانی وجود کو نہیں کیا گیا۔سجدہ انسان میں موجود عناصر یا اس کے ملنے سے پیدا ہونے والے نفس یا روح سفلی کو نہیں کیا گیا بلکہ فرمایا کہ جب میں اپنی روح جو عالم

امر کی تجلی سے پیدا کی گئی' جو صفت ہے حیات کی' اس میں پھونک دوں تو تمہیں سجدہ کرنا ہوگا۔ تو سجدہ اس روح کو کیا گیا' عزت واحترام اس کے لئے ہے' انسانیت کی تکمیل اس روح سے ہوتی ہے جو عالم امر کی تجلی ہے اور اس کی حیات قلب سے شروع ہوتی ہے۔ اور قلب کی حیات نور ایمان پر ہے۔

استعداد کا سلب ہونا

اب اگر نور ایمان ہی جاتا ہے تو قلب بھی جاتا رہیگا۔ قلب کی حیات کا کم از کم حال یہ ہے کہ اسے ایمان نصیب ہو۔ قلب کی حیات کی دلیل ایمان ہے۔ عمل صالح اس کی طاقت ہے۔ حیات جیسے ایک نوزائیدہ بچے میں بھی ہے' حیات ایک طاقتور جوان میں بھی ہے' لیکن بچپن اور جوانی کی طاقتوں میں جتنا فاصلہ ہے' اتنا ہی فاصلہ ایمان لانے کے بعد عمل صالح بنتا ہے۔ عمل صالح اسے قوت دیتا ہے اور محض ایمان ابتدائے حیات ہے لیکن اگر کوئی ایمان پر ہی نہ رہے تو اس میں' جب تک وہ دنیا میں ہے' عالم امر کی اس تجلی کو دوبارہ پانے کی استعداد رہتی ہے لیکن وہ اگر ایمان کھو دے تو پھر اس کے وجود کا حصہ نہیں رہتی وہ اس سے سلب ہو جاتی ہے۔ اور بعض لوگ پھر اتنے جرائم کرتے ہیں کہ ان کے قلوب سے وہ استعداد نفی کر دی جاتی ہے۔ وہ دوبارہ اس تجلی کو پانے کے قابل ہی نہیں رہتے جس کا تذکرہ قرآن نے ان الفاظ میں کیا۔ ختم اللہ علی قلوبھم ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ اس مہر سے یہ حیوانی زندگی ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ تجلی' وہ نور' وہ نفخ روح جس کے بارے فرمایا گیا' وہ روح جو عالم امر سے ہے' اس کے نور کا دوبارہ اس قلب میں آنا محال ہو جاتا ہے' اس کے گناہوں کی وجہ سے قلب سے استعداد زائل ہو جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا۔

ءانذرتم ام لم تنذرھم لا یومنون رسول اللہ ﷺ انہیں دعوت دیں نہ دیں آپ ﷺ انہیں عذاب وثواب کے متعلق بتائیں نہ بتائیں' انہیں کفر اور برائی کے نتائج سے آگاہ کریں نہ کریں' ان کے لئے برابر ہے ھم لا یومنون ایمان نہیں لائیں گے' کیوں نہیں لائیں گے۔ ختم اللہ علی قلوبھم اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ اللہ کے

اصول توڑنے میں یہ اتنے دور تک چلے گئے کہ اب واپسی کی کوئی امید نہیں رہی۔قلوب میں قبول کرنے کی جو استعداد تھی وہ اللہ نے سلب کرلی۔ جو نور ایمان سے نصیب ہوتی ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام کی معرفت ایمان نصیب ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس حیات یعنی نور ایمان کا خزینہ اور منبع نبی علیہ السلام کی ذات ہے۔یہی وجہ ہے کہ جو بندہ براہ راست آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں گیا وہ ایک آن میں صحابیؓ بن گیا ایک لمحے میں اس نے سارے منازل طے کرلئے۔اس لئے کہ نبوت براہ راست اس حیات سے منسلک ہے۔ جیسے آگ میں لوہے کو ڈال دیں تو وہ خود آگ بن جاتا ہے۔ وہی حدت' وہی گرمی' وہی سرخی' وہی رنگ وہ سب کچھ اس میں منتقل ہوجاتا ہے کیونکہ ساری کی ساری قوت کا خزانہ جہاں تھا وہ اس لوہے پہ بھی گیا اور لوہا جتنا آگ سے دور ہوگا تو اتنی ہی کم تپش' کم روشنی اس میں آئے گی لیکن فاصلہ کی نسبت سے گھٹتی یا بڑھتی چلی جائے گی۔اس طرح جسے براہ راست نبی علیہ السلام کی صحبت نصیب ہوئی وہ اس روشنی' اس حدت میں منتہائے کمال کو پہنچ گیا اور جو جتنا دور رہا وہ اتنا مدراج میں کم ہوتا چلا گیا۔

سالک کی تربیت کا اصلی سبب

اور سلاسل تصوف کا حاصل بھی یہ ہے کہ براہ راست ان لوگوں کی مجالس میں بیٹھ کر جیسے صحابہؓ سے تابعینؒ سے تبع تابعینؒ نے اور ان سے ان کے شاگردوں نے یہ نور حاصل کیا۔بعینہ اس حدت کو براہ راست ان قلوب سے قبول کیا گیا۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تعلیمات سن کر مان لیا جائے تو ایمان پیدا ہوگیا' روح کا اتنا عنصر وجود میں آ گیا جس سے دل میں ایمان کی روشنی آ گئی لیکن وہ تعلق کمزور رہا ہاں اگر منور القلوب لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا تو دل میں وہ روشنی' وہ نور آ گیا اور وہ قوت بہت طاقتور ہوگئی' بہت مضبوط ہوگئی۔حتیٰ کہ اللہ اگر عطا کرے تو پھر ان حجابات کو پھاڑ کر روح کا تعلق واپس آسمانوں سے' پھر عرش سے' پھر عالم امر سے استوار ہوتا جائے گا اور اس حیات میں' زمین پر بیٹھے ہوئے بھی' اپنا تعلق پھر سے اس مقام سے اس طرح قائم کرلے گا کہ جیسے کوئی مسافر دور دراز سے واپس گھر آ گیا

اورزمین پر رہتے بستے ہوئے عالم امر میں سانس لینے لگا۔ وہاں آنے جانے لگا اور اپنا رشتہ استوار کرلیا اس کی دلیل عملی زندگی میں اللہ کی اطاعت اور نبی ﷺ کی کامل اور غیر مشروط اطاعت کا نصیب ہوجانا ہے۔

ایک بات جو میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے اگر روح کا تعلق قلب سے عالم امر سے ہی کلی طور پر منفی ہوجائے تو وہ وجود جہنم میں جائے گا۔ اسی لئے آپ نے حدیث میں پڑھا یا سنا ہوگا کہ جس دل میں رائی برابر ایمان ہوگا وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ روح کا عالم امر سے ادنی تعلق بھی ہمیشہ کے عذاب سے نجات دیتا ہے کیونکہ انسانی نفس یا انسانی وجود تو جہنم میں جاسکتا ہے' لیکن وہ تجلی جو عالم امر سے ہے' اس کا جہنم جانا نہیں بنتا اور جو لوگ جہنم جائیں گے ان میں عالم امر کا وہ عنصر نہیں ہوگا جس سے روح کی تخلیق کی گئی ہے۔ اسی لئے دوزخیوں کی شکل انسانی نہیں ہوگی' چہرہ انسانی نہیں ہوگا۔ انسانوں کی طرح بات نہیں کرسکیں گے۔ جانوروں اور درندوں جیسا چیخنا چلانا ہوگا اور شکل ایسی ہوگی جیسے جانور' جیسے درندے جیسے حیوان کی خصوصیت اپنی زندگی میں اپنائے گا۔ مثلاً خنزیر' ریچھ' بندر' بھیڑیا' اژدھا اسی شکل میں وہ جہنم میں داخل ہوگا کیونکہ اس میں عالم امر کی وہ تجلی نہیں ہوگی' اگر اس روح کا کوئی عنصر یعنی عالم امر سے متعلق کوئی بھی تعلق کسی کے وجود میں ہو تو اس کے جہنم سے بچ جانے کی ضمانت ہے۔

مراقبات کا مقصد

اس لئے کہ یہ قرب الٰہی کا مظہر ہیں۔ مراقبات اور مقامات تصوف یہ اللہ کے قرب کی دلیل ہیں۔ جنت فی نفسہ مطلوب نہیں ہے۔ جنت اللہ تو نہیں' جنت غیر اللہ ہے' مخلوق ہے۔ اللہ کی مخلوق کا مطلوب کیوں ہے؟ مخلوق کے لئے کیوں دعا کرتے ہو۔ مخلوق کے لئے کیوں محنت کرتے ہو۔ اس لئے کہ وہ ایسی مخلوق ہے جو اللہ کی رضامندی کی سند ہے یعنی اس کا ملنا دلیل ہے اس بات کا کہ اللہ کریم اس پر راضی ہیں۔ اگر اس بات کی سند نہ ہو یعنی رضائے الٰہی مطلوب نہ ہو۔ تو پھر جنت کے لئے دعا کرنا بھی فضول ہے' جنت کے لئے

محنت کرنا بھی فضول ہے کیونکہ جنت اللہ تو نہیں ہے غیر اللہ ہے اور غیر اللہ کی طلب کیسی۔ ہاں وہ اللہ کی رضامندی کا سرٹیفکیٹ اور دلیل ہے اس لئے مطلوب ہے۔ اسی طرح یہ مراقبات تصوف اور منازل سلوک یہ مظہر ہیں قرب الٰہی کے اللہ کے قرب کے دلیل ہیں۔ جس پر اللہ جتنا مہربان ہوتا ہے اتنی رفعتیں اتنی بلندیاں اتنی عظمتیں اسے عطا فرماتا ہے۔ اس لئے مطلوب ہے بلکہ حضرت جیؒ فرماتے ہیں کہ اگر عالم بالا کے مراقبات نصیب ہوں تو نوافل پڑھنے سے وہ مراقبات کرنا زیادہ باعث برکت اور زیادہ باعث ثواب ہوتا ہے۔ فرائض کے بعد سب سے زیادہ جو رحمت وارد ہوتی ہے وہ مراقبات میں بیٹھے رہنے سے ہوتی ہے۔ ان کا درجہ نوافل سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے کہ وہ خود قرب الٰہی کی تجلیات باری کی رضائے باری کی دلیل ہیں۔

اسی انسانی عظمت کے ساتھ ٹکرا کر شیطان ہمیشہ کی سعادت سے محروم ہو گیا۔ اللہ نے فرمایا فاذا نفخت فيه من روحي فقعوا له ساجدين جب میں اسے درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو سجدہ ریز ہو جانا۔ روح جو عالم امر سے متعلق ہے من روحی "اپنی روح سے"۔ یعنی اس کی تخلیق اللہ کی صفت کی تجلی سے ہوئی۔ کیسے ہوئی اس کا جواب نہ کوئی سمجھ سکتا ہے نہ کوئی سمجھا سکتا ہے نہ کوئی اسے جان سکتا ہے اور اتنا جاننا بھی جو ہم مسلمان جانتے ہیں یہ بھی اس کی بہت بڑی عطا ہے۔ دراصل یہ کسی مادے سے کسی جوہر سے کسی عنصر سے کسی ذرے سے نہیں بنائی گئی یہی باعث شرف انسانیت ہے اور اس کا موجود ہونا انسان کو انسان بناتی ہے۔ اگر انسان سے ان کی نفی ہو جائے تو جہنم یا کفر کو الگ رکھ دو انسان انسان نہیں رہتا حیوان ہو جاتا ہے اپنی جبلت کے تابع چلا جاتا ہے۔ جس طرح جانور کھانے پینے پہ لپکتا ہے جس طرح جانور صرف آرام کی سوچتا ہے جس طرح جانور صرف جنس کی سوچتا ہے اسی طرح انسانی زندگی بھی اس روٹین میں چلی جاتی ہے۔

آپ سارے عالم کفر کا مشاہدہ کر لیجئے بنظر غور دیکھ لیجئے آپ کو وہاں سوائے

حیوانی زندگی کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ انسانی رشتوں کا وجود نظر نہیں آئے گا۔ انسانی عظمت کی کوئی جھلک نظر نہیں آئے گی۔ جہاں اس کی یعنی روح کی نفی ہوگئی تو انسان انسانیت سے محروم ہوگیا اور ایک عام حیوان کی سطح پر چلا گیا جو محض کھانا پینا اور اپنی نسل بڑھانا جانتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے کوئی احساس نہیں ہے کہ غلط کھا رہا ہے' صحیح کھا رہا ہے' گندہ کھا رہا ہے' صاف کھا رہا ہے' صحیح کر رہا ہے' غلط کر رہا ہے۔ حیوانی زندگی میں کوئی سٹیٹس' احترام یا دیگر کوئی اور قدر نہیں ہوتی۔ اسی طرح سارے کافر معاشرے میں انسانی اقدار کبھی بھی نہیں ہوتیں۔ تاریخ کے کسی دور میں نہ پہلے تھیں اور نہ آج کے جدید ترقی یافتہ معاشرہ میں ہیں۔ جو بھی نور ایمان سے محروم ہے وہ انسانی اقدار سے ویسا ہی محروم ہے جیسا جاہلوں کا معاشرہ انسانی اقدار سے محروم رہا۔

حیات قلبی' تزکیہ کا تلازم

جسے آپ نیکی کہتے ہیں' جسے عبادت کہتے ہیں' جسے ورع وتقویٰ کہتے ہیں' جسے آپ بھلائی یا شرافت کہتے ہیں' یہ روح کے ساتھ آتی ہیں' حیات قلبی کے ساتھ وارد ہوتی ہیں۔ جتنا جتنا اس روح کا تعلق قلب سے مضبوط ہوتا ہے' جتنا قلب انسانی منور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اتنی اتنی اقدار کی اہمیت اس پر وارد ہوتی جاتی ہے اور اتنا اتنا وہ سنبھل کر انسان بنتا چلا جاتا ہے۔ اس کا نفی ہو جانا انسانیت کے منفی ہو جانے کے دلیل ہے۔

شیطان نے اس کی عظمت کا انکار کیا فسجد الملئکۃ کلھم اجمعون تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ الا ابلیس ابلیس نے نہیں کیا جبکہ فرشتوں میں رہتا تھا' ابی ان یکون مع السجدین۔ اس نے تکبر کیا اور سجدہ نہیں کیا۔ شیطان کی محرومی کا سبب یہ بنا۔

سورۃ بقرہ میں اللہ کریم فرماتے ہیں ابی واستکبر و کان من الکفرین۔ شیطان نے انکار کیا' تکبر کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں سے۔ اب اس کو بدلنے کے لئے جو دوست ترجمہ کرتے ہیں' ''ہو گیا کافر'' ان سے گذارش ہے کہ جب وہاں ماضی کا

صیغہ استعمال ہوا تو کیوں اسے ماضی نہیں رہنے دیتے۔ عام آدمی کو شاید یہ بات سمجھ نہیں آتی اس لئے اسے ''ہوگیا'' سے بدلتے ہیں۔اصل یہ ہے کہ اللہ کریم نے یہ بتایا کہ ''تھا تو کافر ہی'' علم الٰہی میں تو یہ کافر تھا اس لئے کہ اللہ کو پتہ تھا کہ یہ ساری محنت' ساری عبادات' سارے سجدے' ساری ریاضیت اپنی بڑائی کے لئے کر رہا ہے' خود کو پارسا بنانے کے لئے کر رہا ہے' خود کو نیک منوانے کے لئے کر رہا ہے۔ میری عظمت کا احساس اسے نہیں ہے۔تو فرمایا ''تھا ہی کافر'' لیکن جب تک اس کا کفر کھلا نہیں تب تک اسے سزا نہیں دی۔ اگر آپ کو کوئی شخص یہ بتا دے کہ یہ شخص قاتل ہے' قتل کرے گا تو آپ یقیناً کہیں گے جب کرے گا تو دیکھی جائے گی۔ اب اس بات پہ کہ وہ یقیناً قتل کرے گا تو اس پر اسے سزائے موت تو نہیں دی جاتی۔

مرتد طریقیت

اب وہ سوال آ گیا جو لوگ اکثر پوچھتے تھے کہ بعض سالکین ایک بڑے کامل ولی اللہ کے ساتھ رہ کر مراقبات حاصل کرتے ہیں' انتہائی بلند مقامات تک پہنچتے ہیں' پھر وہ ضائع ہو جاتے ہیں' پھر وہ سلاسل سے خارج ہو جاتے ہیں' ان کی کیفیات چلی جاتی ہیں تو اگر ان میں ان کیفیات کے رکھنے کی استعداد نہیں تھی' انہیں وہ نصیب کیوں ہوئیں۔ جس طرح شیطان کو عبادات پر بلندیاں نصیب ہوتی رہیں۔ اسی طرح اہل اللہ کے ساتھ بھی جو لوگ اپنی بڑائی کی طلب پہ' اپنے آپ کو بڑا بنانے کی غرض سے لگ جاتے ہیں' انہیں وہ کیفیات وقتی اور لمحاتی طور پر آتی رہتی ہیں' مراقبات بھی ہوتے ہیں' منازل سلوک بھی ہوتی رہتی ہیں' لیکن جس طرح شیطان کا بھانڈا پھوٹ گیا آخر ان کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے اور سب کچھ ضائع ہو جاتا ہے۔

اس لئے ایسے لوگوں کے پاس محض اللہ کی بڑائی کو سمجھنے کا شعور حاصل کرنے کے لئے آنا چاہیے۔ اپنے آپ کو بڑا بنانے کے لئے نہیں اور آپ دیکھیں کہ جتنے لوگ ضائع ہوتے ہیں ان میں یہی شیطانی عنصر آ جاتا ہے کہ میں بہت بڑا آدمی ہوں۔ تو میں نے اس کا ضمناً ''جواب عرض کر دیا' اس لئے نہیں کہ لگ اس کا شکار ہوئے بلکہ اس لئے کہ اللہ کرے

کوئی اس کا شکار نہ ہو۔مصیبت سے بچنے کے لئے' بیماری سے بچنے کے لئے' کسی دکھ سے بچنے کے لئے اس کا جاننا بہت بڑا ممد و معاون ہوتا ہے۔اس لئے اللہ نے بار بار دوزخ کا اور اس کے عذابوں کا تذکرہ فرمایا کہ لوگ جانتے ہوں گے تو بچنے کے لئے کوشش بھی کریں گے۔اس لئے میں نے عرض کیا کہ آپ کسی بزرگ کے پاس' کسی ولی کے پاس' کسی شیخ کے پاس بیٹھے اور آپ کو مراقبات ہو گئے منازل سلوک ہو گئے۔تو یہ یاد رکھیں کہ ان سب کے حصول سے بھی اگر اپنی بڑائی مراد ہے تو پھر خطرہ ہے ان کے جاتے ہوئے کوئی دیر نہیں لگے گی۔ بلکہ انسان الٹا مجرم کہلائے گا کہ اپنی بڑائی کے لئے اس شے کو استعمال کیا جو اللہ کی بڑائی کے اظہار کا ذریعہ تھی۔اس لئے آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ مرتد شریعت کی طرح مرتد طریقت کافر نہیں ہوتا۔مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں مرتد طریقت کافر تو نہیں ہوجاتا لیکن عام طور سے مرتے کفر پر ہی ہیں۔جب طریقت سے کوئی رد ہوتا ہے تو اللہ کی شان کہ ایمان بچا کر بھی دنیا سے نہیں لے جاتا۔اگرچہ یہ ارتداد کفر نہیں لیکن ایمان کو باقی رکھنے کی صلاحیت منفی ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ کافر ہو کے مرتا ہے۔

قرآن حکیم نے کہا و من نقص فانما ینقص علی نفسہ ۔ آپ کے ساتھ معاہدہ بیعت کر کے جس نے توڑا اس نے اپنے آپ کو توڑا و من نقص جس نے توڑا۔فانما ینقص علی نفسہ اس کی وہ ٹوٹ پھوٹ اس کی اپنی ذات پر پڑی۔ اس نے خود کو توڑ پھوڑ دیا تباہ کر دیا' وہ خود باقی نہ رہا۔تو یہ چند گزارشات تھیں جو انسانی عظمت پہ دلالت کرتی ہیں۔انسان کو انسانیت نصیب ہی اس روح کی وجہ سے ہے جو اللہ کی صفات کے نفخ سے تعلق رکھتی ہے' جو عالم امر کی تجلی سے ہے اور قرب الٰہی کی بنیاد بھی وہی روح ہے۔کسی سے اس کی نفی ہو جائے تو وہ انسان انسان نہیں رہتا۔بلکہ قرآن کی اصطلاح میں اولٰئک کالانعام چارپاؤں کی طرح عام حیوانوں کی طرح ہو جاتا ہے بل ھم اضل بلکہ وہ ان سے گیا گزرا کہ عام حیوان تو تخلیقی طور پر حیوان تخلیق ہوئے اور یہ شرف انسانیت ضائع کر کے وہاں گیا۔اللہ کریم ہمیں سمجھ توفیق عطا فرمائے اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔